© rasailojaraid.com

ڈاکٹر جمیلہ شوکت

الشیخ المراغی اور اُن کی تفسیری خدمات

انیسویں صدی کے نصف آخر میں سرزمین مصر کے آسمانِ علم پر دین اور معاشرت و سیاست کے میدان میں جو شخصیتیں نمایاں ہو کر ابھریں ان کے سرخیل محمد عبدہ تھے۔ محمد عبدہ کی ہمہ گیر شخصیت نے مصر کی دینی، سماجی اور سیاسی زندگی میں صحت مند اور ہمہ گیر انقلاب پیدا کیا۔ نوجوان طالب علموں کا ایک گروہ اس مصلح کی آرا و افکار اور اصلاحی پروگرام سے حد درجہ متاثر ہوا اور ان کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہو گیا۔ ان نوجوان شاگردوں میں سے بعض نے محمد عبدہؒ کے اصلاحی پروگرام کو نہ صرف عملی صورت دینے کی بھرپور سعی کی بلکہ اس کو پورے اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ آگے بھی بڑھایا اور یوں مصر کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ ان ہی شخصیات میں سے ایک اہم اور قابلِ تکریم ہستی الشیخ محمد مصطفیٰ المراغی کی تھی۔ اس وقت ہم اختصار کے ساتھ ان کی زندگی کے حالات اور تفسیر کے سلسلے میں ان کی خدمات کا جائزہ لیں گے۔

محمد مصطفیٰ بن محمد بن عبدالمنعم المراغی ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں مراغہ کے ایک متدین اور علم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے[۱] ان کے آباؤ اجداد اپنی دیانت اور تقویٰ شعاری کی وجہ سے اہلِ قریہ میں محترم و معزز گردانے جاتے تھے۔ شیخ مراغی کے والد مراغہ کے قاضی تھے[۲] انھوں نے اپنے اس بچے کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی اور وہاں کی مروجہ روایت کے مطابق تعلیم کا آغاز کلام پاک سے ہوا۔ والد نے اس دوران بیٹے کو دیگر علوم سے بھی متعارف کرایا۔ قرآنِ حکیم پڑھنے کے بعد اُنھیں طہطا بھیج دیا گیا اور کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کی۔ پھر جلد ہی عازم قاہرہ ہوئے اور مصر کے مشہور دینی ادارے جامعہ ازہر میں داخلہ لیا[۳] ان دنوں محمد عبدہؒ ازہر میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

۱۔ المجددون فی العالم الاسلام، ۵۴۵، الشیخ المراغی، ۵/۱۰۳، ۱۱۲؛ الاعلام ۷: ۳۲۴

۲۔ الشیخ المراغی، ۱۰۳

۳۔ الشیخ المراغی، ۵/۱۰۳؛

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراغی ان کے طریقِ تدریس سے بہت متاثر ہوئے اور جامعہ ازہر اور اس سے باہر کے ان کے تمام دروس میں شریک ہوئے۔ محمد عبدہ کے یہ لیکچر بالخصوص علم بلاغت، تفسیر، تاریخ اسلام اور علم معاشرت پر ہوتے تھے۔[۴] یوں مراغی اپنے استاد کے مکتبِ فکر سے وابستہ ہوگئے۔ مصطفی المراغی بچپن ہی سے ذہین و فطین تھے، اور انھوں نے نہایت محنت اور لگن سے علم کی منازل طے کیں اور بالآخر ۱۹۰۴ء میں جامعہ ازہر کی اعلیٰ تعلیمی سند حاصل کی۔[۵] انھیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ ازہر کی تاریخ میں اس ڈگری کو حاصل کرنے والوں میں سب سے کم عمر طالبِ علم تھے۔[۶]

مصطفی المراغی نے "العالمیۃ" کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا۔ ازہر کے قواعد کے مطابق اعزاز کے ساتھ ڈگری حاصل کرنے والے طالب علم کو ازہر ہی میں تدریس کے فرائض سونپے جاتے تھے، لہٰذا مراغی بھی اگست ۱۹۰۴ء میں اسی ادارے سے منسلک ہوگئے اور اکتوبر ۱۹۰۴ء تک یہ فرض سرانجام دیتے رہے۔[۷]

نومبر ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں دنقلہ (سوڈان) کے قاضی مقرر ہوئے۔[۸] اس عظیم اور باہمت عالم نے اس پسماندہ علاقے میں عہدۂ قضا قبول کیا اور بہت جلد اپنی فرض شناسی اور دیانت کی بدولت دنقلہ کے عوام میں ہردلعزیز ہوگئے۔ ۱۹۰۶ء میں بحیثیت قاضی ان کا خرطوم تبادلہ ہوگیا۔[۹] سوڈان کے قاضی القضاۃ سے بعض اختلافات کی بنا پر ۱۹۰۷ء میں مصر واپس آگئے اور اسی سال مصر کی وزارت اوقاف کے مدیر مقرر ہوئے اور ازہر میں بھی تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔[۱۰]

۴۔ الشیخ المراغی، ۶، ۱۴۸

۵۔ الشیخ المراغی، ۶، ۱۰۳؛ الاعلام، ۷، ۳۲۴

۶۔ ایضاً، ۱۰۳، ۱۱۵

۷۔ ایضاً، ۱۱۷

۸۔ ایضاً ۱۱۶

۹۔ ایضاً ۱۱۶/۷

۱۰۔ ایضاً ۱۱۷/۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۰۸ء میں بعض شرائط کے ساتھ سوڈان کے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کیا۔[۱۱] اس منصب پر فائز ہونے کے بعد مراغی نے عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی اور ان کی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب انھوں نے انگریزی زبان سیکھی۔[۱۲] شیخ نے محکمۂ قضا میں بعض بنیادی اور دور رس تبدیلیاں کیں۔ شرعی فیصلوں میں جمود کو ختم کیا، کسی ایک مذہب کا پابند ہونے کے بجائے حالات و ضرورت کے مطابق مختلف مذاہب کے مطابق فیصلے کیے۔[۱۳] شخصی احوال کی تنظیم نو کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی۔ قانون کے صحیح نفاذ کے لیے قاضی کے فرائض اور اس کے کردار کی اہمیت کو متعین کیا۔ فرماتے ہیں:

انّ اصلاح القانون اصلاح لنصف القضاء اما اصلاح النصف الآخر فھو بید القاضی نفسہ، لان علیہ ان یفھم الوقائع اولاً کما ھی بعد تلمس ادلتھا و نقدھا و الموازنۃ بینھا۔[۱۴]

یعنی قضا اور فیصلوں کی اصلاح کا نصف حصّہ قوانین کی اصلاح پر منحصر ہے جب کہ دوسرے نصف کا مدار خود قاضی کی ذات پر ہے۔ قاضی پر لازم ہے کہ وہ دلائل کو سنے، ان پر نقد و جرح کرنے اور موازنہ کرنے سے پہلے حالات و واقعات اور حادثات کو اچھی طرح سمجھے۔

سوڈان میں طویل قیام کے بعد ۱۹۱۹ء میں مصر واپس آئے اور ۱۹۱۹ء کی اس تحریک میں بھی حصّہ لیا جو مصریوں نے اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے چلائی تھی۔[۱۵] اس کے بعد مصر میں مختلف عدالتی مناصب پر فائز رہے۔ ۱۹۲۳ء میں المحکمۃ العلیا الشرعیہ (اعلیٰ شرعی عدالت) کے رئیس و امیر مقرر ہوئے۔[۱۶]

۱۱۔ الاعلام، ۷: ۳۲۴؛ المجددون، ۵۴۸

۱۲۔ معجم المولفین، ۱۲: ۳۴

۱۳۔ الشیخ المراغی، ۹

۱۴۔ المجددون، ۵۴۸

۱۵۔ الشیخ المراغی، ۱۲۰

۱۶۔ ایضاً، ۱۰۵، ۱۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی عرصے میں حکومت کو ازہر کے معاملات حل کرنے اور ان کے مطالبات پر غور کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کرنا پڑا، مصطفیٰ المراغی کو بھی اس کا رکن منتخب کیا گیا۔[۱۷] بحیثیت رکن اُنھوں نے ازہر کی بہتری اور تعمیر کے لیے ٹھوس تجاویز پیش کیں اور بالآخر ۱۹۲۸ء میں وہ شیخ الازہر مقرر ہوئے۔[۱۸] اس دور میں اُنھوں نے ازہر کے تعلیمی، تنظیمی اور مالی معاملات کی اصلاح کی طرف توجہ دی اور محمد عبدہ کے اصلاحی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کیا۔ تھوڑے سے ہی عرصے میں ازہر نے جو ایک قدامت پسند ادارہ تھا ترقی کے مراحل طے کرنا شروع کر دیے۔ وہ علوم جو ازہر کے طالب علموں کے لیے شجر ممنوع تھے ان کا اجرا کیا اور ان کے درس و تدریس کا اہتمام ہوا۔ اس کے علاوہ یہاں کے طلبا کو مغربی تعلیمی اداروں میں بھیجا گیا۔ مراغی نے اگر ایک طرف عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اصول وضوابط میں ترمیم و تبدیلی کی تو دوسری طرف اسلامی علوم و معارف کو ان کا صحیح مقام دیا اور ان کی تحصیل اور اسلام پر عمل پیرا ہونے کو مسلمان کی دُنیاوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کا ضامن قرار دیا۔ ازہر کے قدامت پسند طبقے نے ان اصلاحات کو اسلام کے خلاف سازش قرار دیا اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ مراغی نے اس طبقے کی نکتہ چینی سے زچ ہو کر استعفا دے دیا۔[۱۹]

مراغی تو ایک مختصر عرصے کے لیے ازہر کے شیخ رہے لیکن ان کی اصلاحات اور کارناموں کی وجہ سے یہ عرصہ ازہر کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مراغی کے استعفیٰ کے بعد ازہر کی حالت دگرگوں ہو گئی اور بالآخر یہ بات سامنے آ گئی کہ الازہر کو مراغی کی ضرورت ہے۔[۲۰] ارباب بسط و کشاد نے اُن کو دوبارہ اس عہدۂ جلیلہ پر لانے کی سعی کی اور اس طرح ۱۹۳۵ء/ ۱۳۵۴ھ میں وہ دوبارہ عزت و اکرام سے اس منصب پر فائز ہوئے۔[۲۱] الازہر تاریخ کے نئے دور میں داخل ہوا۔ اس موقع پر المراغی نے

۱۷۔ الشیخ المراغی، ۱۲۰-۱۲۱

۱۸۔ الاعلام، ۷: ۳۲۴، المراغی، ۱۲، ۱۲۱

۱۹۔ الشیخ المراغی، ۱۴

۲۰۔ مجلۃ الازھر ۱۳۵۴ھ ص، ۲۸۰-۲۸۱

۲۱۔ الشیخ المراغی، ۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک جامع خطاب کیا جس میں اُنھوں نے اصلاح کے مقاصد کو واضح کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ اُمت اسلامیہ جو علوم و معارف میں مغربی اقوام سے پیچھے رہ گئی ہے اس کمی کو پورا کرے، کتاب و سنت کو سیکھے، اسلاف کے علمی ذخیرے کی چھان بین کرے اور اسے منظر عام پر لائے۔ اُنھوں نے اسلام کو اس کے حقیقی رنگ میں پیش کرنے پر زور دیا اور اہل علم کو مذہبی تعصبات و اختلافات کو ختم کرنے کی طرف توجہ دلائی۔[۲۲]

مراغی اور محمد عبدہ

المراغی اپنے استاد محمد عبدہ کے فکر اور طریق اصلاح سے بہت متاثر تھے۔ مسندِ درس و تدریس ہو یا کرسئ عدل و انصاف مراغی نے استاد کی طرح ہر موقعے پر اُمت مسلمہ کے لیے دعوت و ارشاد اور اصلاح کو مدِنظر رکھا۔ اُستاد اور شاگرد کے اس قریبی تعلق اور اثر پذیری کی تائید اہلِ علم کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ قاہرہ میں متعین سفیر افغانستان سید مجددی کا قول ہے:

انَّ الشیخ المراغی کان خلاصۃ علوم وافکار الشیخ محمد عبدہ۔[۲۳]

شیخ مراغی اپنے استاد محمد عبدہ کے افکار و علوم کا نچوڑ اور عطر تھے۔

الشیخ محمود شلتوت فرماتے ہیں:

انَّ الشیخ (المراغی) ما خرج بروحہ و عقلہ و تفکیرہ عن اَن یکون تلمیذ الاستاذ الامام عبدہ۔[۲۴]

شیخ مراغی علم و فہم اور عقل اور فکر کے اعتبار سے صحیح معنوں میں محمد عبدہ کے شاگرد تھے۔

وہ جب دنقلہ، (سوڈان) اور مصر کی مسندِ انصاف پر متمکن تھے اس وقت بھی اُنھوں نے استاد کی اس نصیحت کو پیش نظر رکھا:

انصحک ان تکون للناس مرشداً اکثر من اَن تکون قاضیا۔ واذا استطعت ان تحسم النزاع بین الناس بصلح فلا تعدل عنہ الی الحکم فان الاحکام سلاح

---

۲۲ الشیخ المراغی، ۲۱-۲۵، ۲۹، ۴۰-۷

۲۳ ایضاً، ۵۴

۲۴ ایضاً، ۱۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يقطع العلاقات بين الامير، والصلح دواء تلتئم به النفوس وتداوى به الجراح[۲۵]

کرسیٔ عدالت پر ایک قاضی اور منصف سے زیادہ صلح کے فرائض سر انجام دینا زیادہ بہتر ہے۔ اگر لوگوں کے جھگڑے اور نزاعات آپس میں صلح و صفائی سے طے ہو سکتے ہوں تو قانون کا سہارا نہ لیا جائے کیونکہ بعض اوقات قوانین و احکام کے نفاذ و اجرا سے خاندانی تعلقات و روابط مجروح ہوتے ہیں جب کہ صلح و صفائی ایک ایسی دوا ہے جو دلوں کو باہم جوڑتی اور زخموں کا مداوا بنتی ہے۔

المراغی اور سیاست

شیخ مراغی دین و سیاست کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے، جیسا کہ محمد عبداللہ السمان کہتے ہیں کہ مراغی کے دینی پہلو کو سیاست سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا[۲۶] شیخ کے سیاست میں حصہ لینے کا اصل محرک دین و سیاست میں تفریق کے رجحان کو ختم کرنا تھا۔

كان حريصاً على ان تظل الدولة جزءاً من الاسلام وليس الاسلام عالة على الدولة[۲۷]

ان کی خواہش تھی کہ حکومت، اسلام کا حصہ بنے نہ کہ اسلام حکومت کا محتاج اور ضرورت مند ہو۔

بعض گوشوں سے ان کی سیاست میں شمولیت پر اعتراض کیے گئے جیسا کہ المجددون فی الاسلام کے مؤلف کہتے ہیں:

وما كان احسن له لو ترك الاشتغال بهذه السياسة والصرف الى اصلاح الازهر على نحو ما اراد في المرة الاولى لأن الاشتغال بالسياسة لم يكن من شأنه[۲۸]

کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ سیاست میں حصہ نہ لیتے اور ازہر کی اصلاح کا کام اسی

۲۵۔ الشیخ المراغی، ۱۳۷

۲۶۔ الاجتہاد فی الاسلام مقدمہ، ۷

۲۷۔ ایضاً ، ۸

۲۸۔ المجددون فی الاسلام ، ۵۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریق پر کرتے جس طریق پر پہلی دفعہ شروع کیا تھا، کیونکہ سیاست میں حصہ لینا مراغی ایسی شخصیت کو زیب نہیں دیتا۔

سیاست میں ان کی بصیرت و مہارت کا اندازہ استاد عباس العقاد کے اس قول سے ہو جاتا ہے وہ کہتے ہیں:

اظن ان الشیخ المراغی علی تمکنہ من العلوم الدینیۃ قد خلق للسیاسۃ وتنظیم الادارۃ ۔[۲۹]

میرا خیال ہے کہ باوجود اس حقیقت کے کہ مراغی کو دینی علوم پر قدرت حاصل تھی، لیکن دراصل وہ سیاست اور معاملات کی تنظیم کے لیے پیدا ہوئے تھے۔

خدمات دین

المراغی کا یہ کارنامہ اور خدمات سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں کہ انھوں نے اپنی ساری عمر دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی خدمت میں گزاری۔ نئی نسل کو دین کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انھیں حصول علم کی ترغیب دلائی، وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان کے ذہنوں کی آبیاری کی۔ قرآن وسنت کی تعلیم پر زور دیا اور واضح کیا کہ ان کی تعلیم کا مقصد بندے اور رب کے درمیان رابطہ اور تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔ امت مسلمہ کی وحدت پر زور دیا اور اس نکتے کو واضح کیا کہ معاشرے میں جو بہت سے گروہ اور فرقے مذہب کے نام پر وجود میں آگئے ہیں وہ امت کی وحدت کے تار و پود کو بکھیرنے اور شیرازے کو منتشر کرنے والے ہیں۔ معاشرے سے کینہ، بغض، حسد اور عداوت ایسی بیماریاں اتحاد کی صورت ہی میں دور ہو سکتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

یجب العمل علی ازالۃ الفروق المذھبیۃ او تضییق شقۃ الخلاف بینھما فان الامۃ فی محنۃ من ھذا التفرق ومن العصبیۃ لھذہ الفرق ۔[۳۰]

---

[۲۹] الشیخ المراغی، ۸۰

[۳۰] ایضاً ، ۱۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وحدت امت کے لیے ضروری ہے کہ مذہبی فرقوں کو ختم کیا جائے یا ان کی تعداد محدود کی جائے کیونکہ ان فرقوں کے تعصب نے اُمت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔"

اُنھوں نے تقریر و تحریر کے ذریعے مختلف انداز اور طریقوں سے امت مسلمہ کو یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کی سربلندی کا راز احکام الٰہی کی پیروی میں منحصر ہے۔ کہتے ہیں:

لوگوں نے جب تک قرآن کے احکام پر عمل کیا سعادت و خوش نصیبی ان کو حاصل رہی اور جب وہ اس سے دور ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں ان پر ذلت و بے کسی طاری کر دی اور ان کی یہ حالت ہو گئی کہ لوگوں سے معمولی باتوں میں بھی خوف کھانے لگے اور زندگی کے تمام معاملات میں اغیار کے محتاج ہو گئے۔ رفتہ رفتہ وہ اس حالت تک پہنچ گئے کہ ان کا یہ ایمان ہو گیا کہ جو قوانین معاشرت و اخلاق دوسروں کے پاس ہیں وہ صحیح ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ ان کی زندگی اور ترقی کا دارومدار صرف اغیار کی پیروی میں مضمر ہے۔ ایسے مسلمان اسلام کے نام پر ایک بدنما داغ ہیں اور دین اسلام ان کے اس غلط طرز عمل سے بری ہے۔[۳۱]

اسلام کی حدود و قیود سے بیزار طبقے پر وضاحت کرتے ہیں کہ اسلام زندگی کے تمام معاملات میں حریت و آزادی کا علمبردار رہے، لیکن چوپاؤں اور بہائم کی سی آزادی اس کا مقصود نہیں۔ وہ ایسی آزادی کا ضامن ہے جو بنی نوع انسان کی دینی اور دنیوی فلاح و کامرانی کی ضامن ہو۔[۳۲]

وفات

یہ عظیم مصلح اور اجل عالم وفات سے کچھ دن قبل بغرض آرام ہسپتال میں داخل ہوئے، لیکن یہاں بھی فرائض منصبی سے غافل نہ رہے اور حسب سابق ان دنوں میں بھی دروس قرآن دیتے رہے۔ اچانک ۱۴ رمضان ۱۳۶۴ (۲۲ اگست ۱۹۴۵ء) کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اُنھیں قاہرہ میں سیدہ نفیسہ کے مقبرے کے نزدیک دفن کیا گیا۔[۳۳] شیخ مراغی کی وفات عالم اسلام بالخصوص اہلِ مصر کے لیے سانحہ عظیم تھی۔

۳۱۔ حدیث رمضان، ۱۹؛ التفسیر والمفسرون، ۳ : ۲۶۷

۳۲۔ اتجاہ التفسیر فی العصر الحدیث، ۹۵، ۹۶، ۹۷

۳۳۔ الاعلام، ۷ : ۳۲۴؛ الشیخ المراغی، ۲۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہلِ مصر نے اپنے اس عظیم اور ہمدرد راہنما کو اس کے شایانِ شان خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ۳۴

تصانیف

المراغی نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ تصانیف، دین اور ادب دونوں سے متعلق تھیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔ مباحث لغویہ بلاغیۃ، کتاب الاولیاء والمحجورین، بحوث فی التشریع الاسلامی، الاجتہاد فی الاسلام، الزمالۃ الانسانیہ، بحث فی ترجمۃ القرآن الی اللغات الاجنبیۃ و احکامہا۔ قرآن حکیم کی مختلف سورتوں اور آیات کی تشریح و تفسیر۔ سورۃ لقمان، الحجرات، الحدید اور العصر پر مشتمل مجموعہ تفسیر حدیثِ رمضان کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

خدماتِ تفسیر

المراغی نے عام مفسرین کے نہج پر پورے قرآنِ حکیم کی تفسیر نہیں کی بلکہ صرف ان سور و آیات کو موضوعِ بحث بنایا جن میں ان کے نقطۂ نظر سے نوعِ انسانی کے لیے عبرت و موعظت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور عظمت پر دلالت کرتی ہیں یا جن سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام علومِ جدیدہ کی تحصیل پر زور دیتا ہے یا یہ کہ اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ یہ تفسیری اسباق بالعموم ماہِ رمضان میں ہوتے اور مختلف مساجد میں ان کا انعقاد کیا جاتا۔ ان کے یہ تفسیری دروس اتنے پر مغز، جامع اور نافع ہوتے کہ عوام سے لے کر خواص اور حکام وقت بھی ان میں شرکت کرتے۔ یہ اسباق ریڈیو پر نشر ہوتے اور اس طرح مصر اور مصر سے باہر وہ لوگ بھی مستفید ہوتے جو ان میں شرکت سے محروم رہتے۔ گو کہ المراغی کا تفسیری سرمایہ حجم و کمیت کے اعتبار سے بہت تھوڑا ہے لیکن جب ہم اس کے اثرات پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا تردد کہنا پڑتا ہے کہ اثر آفرینی کے اعتبار سے یہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ محمد حسین الذہبی اس کمیت اور کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لسے بہت

---

۳۴ شیخ کی وفات پر مختلف تنظیموں اور حلقوں کی طرف سے خراجِ عقیدت پیش کیا گیا اور ان کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کیا گیا۔ ابوالوفا المراغی نے ان تمام بیانات و تحریرات کو "الشیخ المراغی" میں جمع کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑا کارنامہ قرار دیتے ہیں[۳۵]

احمد مرتضیٰ المراغی ان کے مقصد اور طرز تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"المراغی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ تفسیر صحیح معنوں میں قرآن حکیم کی وضاحت کرنے والی اور اس کے اسرار و رموز سے پردہ اُٹھانے والی ہو اور اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو قرآن کے جمال اور جلال کو قائم و باقی رکھیں اور غیر ضروری نیز غریب الفاظ سے پاک ہو۔"[۳۶]

شیخ شلتوت رقم طراز ہیں کہ المراغی کی تفسیر نے لوگوں کی صحیح راہنمائی کی اور انھیں دین کی طرف مائل کیا اور وہ ہدایت و نور کا منار ثابت ہوئے۔[۳۷]

مصطفیٰ محمد الحدیدی ان کے تفسیری محاسن کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ان کے درس سے کوئی اکتاتا نہیں، طبیعتیں اس کے محاسن اور بدائع کو بغیر کسی اکراہ کے قبول کرتی اور روح کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان محاسن کی وجہ سے اگر لوگ ان میں جوق در جوق شریک ہوتے اور اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔"[۳۸]

مصادر تفسیر

المراغی کے مصادر تفسیر میں سر فہرست قرآن حکیم، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال و آثار صحابہ و تابعین تھے۔ سب سے پہلے وہ آیت کی تفسیر کے لیے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضا۔ اور احادیث رسول بھی کثرت سے بیان کرتے۔ بعض وقت وہ مآخذ حدیث کا ذکر کرتے اور بعض وقت صرف "حدیث صحیح" کہنے پر اکتفا کرتے۔ تفسیر قرآن کے

۳۵۔ التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۶۔

۳۶۔ حدیث رمضان، ۷

۳۷۔ ایضاً، ۷-۸۔

۳۸۔ اتجاہ التفسیر فی العصر الحدیث، ۱۰۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضمن میں سنت کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں : وخیر مایفسر بہ کتاب اللہ ما صح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم۔[۳۹] وہ دوران تفسیر بعض مقامات پر قدیم مفسرین کے اقوال و آرا کا ذکر بھی کرتے، وہ ان کی فضیلت کے متعرف تھے۔ بعض مقامات پر نہایت شائستہ الفاظ میں ان پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ اسلاف کی کاوشوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ماھو الا ثمرات من اغراس اسلافنا القدیم و زھرات من ریاضھم۔[۴۰]

"یعنی یہ اقوال اور کوششیں ہمارے اسلاف کی کاوشوں کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔"

المراغی بالعموم زیردرس آیت میں وارد بعض تشریح طلب الفاظ کی علیحدہ وضاحت کرتے ہیں اور بعض اوقات کسی لفظ کی مختلف قرأتوں کا بھی بیان کرتے اور نحوی و لغوی نکتے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ پورا زورِ بیان آیت میں مذکور مرکزی موضوع پر صرف کر دیتے ہیں۔

متشابہاتِ قرآن میں ان کا موقف

المراغی نے متشابہات قرآن کے ضمن میں اپنے استاد محمد عبدہ کی پیروی کی ہے۔ وہ قرآن کے مختصر اور اجمالی واقعات کی تفصیل میں جانے سے حتی الوسع گریز کرتے ہیں۔ ان جزئیات کی تفصیل کے لیے نہ ضعیف احادیث کا سہارا لیتے ہیں اور نہ اسرائیلی قصص و روایات کو بیان کرنا پسند کرتے ہیں۔ حروف مقطعات کی تفصیلی بحث میں نہیں جاتے۔ الم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ھذہ وامثالھا من اسماء حروف الھجاء التی ابتدا بعض سور القرآن اسماء للسور المبتدأة بھا ولا یجوز حملھا علی غیر ذلک۔[۴۱]

الم اور اس جیسے دوسرے الفاظ حروف تہجی میں سے ہیں جن سے بعض سورتوں کا آغاز کیا گیا ہے اور ان پر سورتوں کو موسوم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کو دوسرے

---

[۳۹] حدیث رمضان، ۴۹

[۴۰] حدیث رمضان، ۴۰، اتجاہ التفسیر، ۹۳

[۴۱] حدیث رمضان، ۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معانی پر محمول کرنا مناسب نہیں۔

آیت سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ (آل عمران:۱۳۲) کی تفسیر کرتے ہوئے جنت کے بارے میں اتنے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن کے ظاہری الفاظ سے ذہن میں آتا ہے اور اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کر دیتے ہیں۔ والبحث فی ھذا لا فائدۃ لہ ولا طائل تحتہ۔[42]

"یعنی اس کی بحث کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ کوئی مقصد۔"

آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (البقرہ: ۱۸۳) کی تشریح میں آیت کے ظاہری مفہوم پر اکتفا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام گذشتہ پر بھی روزے فرض کیے گئے تھے لیکن اس کی کیفیت اور مقدار کے بارے میں قرآن میں وضاحت نہیں کیونکہ حرف تشبیہہ سے تمام امور و معاملات اور پہلوؤں میں مماثلت لازم نہیں آتی۔[43]

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ (لقمان:۱۲) اس میں المراغی سے قبل مفسرین نے لقمان کی شخصیت اور قومیت کے بارے میں متعدد آرا و اقوال پیش کیے ہیں۔ لیکن المراغی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ تمام روایات جو اُن کی شخصیت سے منسوب کی گئی ہیں غیر مستند ہیں۔ حضرت لقمان کی شخصیت اور عظمت ان سب سے مستغنی ہے۔[44]

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ (الحدید:۴) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت میں مذکور "ایام" سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ آیا یہ دن ہمارے دنوں کی طرح تھے یا اس سے مختلف۔ اس کی حقیقت کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ اس کی تحدید سے اجتناب کریں۔ اگر ان ایام کی جنس کے یقین اور ان ایام میں جو کچھ قدرت نے کیا اس کی تفصیل بتانے میں کوئی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور ہم کو اس سے باخبر کر دیتے۔ یہاں صرف اس کی تخلیق سے عبرت و موعظت حاصل کرنا مقصود ہے۔[45]

---

۴۲ التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۶۲

۴۳ اتجاہ التفسیر، ۹۴

۴۴ حدیث رمضان، ۶۶-۶۷، اتجاہ التفسیر، ۹۴-۹۵

۴۵ حدیث رمضان، ۱۵۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتماعی مسائل

شیخ مراغی دوران تفسیر اجتماعی مسائل کی تفصیل میں جاتے اور نہ صرف معاشرے میں موجود خرابیوں کے اسباب وعلل کی نشاندہی کرتے بلکہ اُن کے لیے نسخۂ کیمیا بھی تجویز فرماتے ہیں۔ برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا روئے سخن بالعموم اہل حل وعقد کی طرف ہوتا جن کے جور و استبداد کے نتیجے میں معاشرے میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ شیخ اولی الامر کو اُن کی ذمہ داریوں اور فرائض کا احساس دلانے اور اُن سے عہدہ برآ ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ وہ حکام کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی منعطف کراتے ہیں کہ جب عقل انسانی کی پاسبانی کے لیے شریعت نہ ہو تو معاشرہ انتشار و افتراق کا شکار ہو جاتا اور جادۂ صواب سے منحرف ہو جاتا ہے۔ وہ تاریخ کی روشنی میں یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اقوام کی سربلندی و عظمت کا راز ہدایت ربانی سے وابستگی اور پیوستگی میں ہے جب کوئی قوم اس منارۂ ہدایت سے روگردانی کرتی ہے تو بدبختی اور شقاوت اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ (الفرقان: ۶) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وقد دلت التجارب على ان المسلمين سعدوا أيام ان عملوا بالقرآن واهتدوا بهديه، وشقوا ايام ان اعرضوا عنه وتركوه۔ وليس حفظه وتلاوته وتجويده هو العمل به، وانما العمل به هو فهمه، وادراك الاغراض العامة منه، وملاحظة ان تكون الاعمال جميعها في هذه الدائرة: دائرة الحق، والعدل، والعلم والرشد۔[۴۶]

"تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے احکام قرآن پر عمل کیا خوش بختی نے ان کے قدم چومے اور جب اس کو پس پشت ڈال دیا تو بدبختی اُن کا مقدر بنی۔ قرآن کو حفظ کرنے، اس کی تلاوت کرنے اور تجوید سے پڑھنے پر عمل کا اطلاق نہیں ہوتا قرآن پر عمل سے یہ مراد ہے کہ پہلے اس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس کی غرض و غایت معلوم کی جائے اور اس بات پر نظر رہے کہ اس کے تمام اعمال دائرہ حق عدل و انصاف اور علم و رشد میں ہوں۔"

۴۶ھ حدیث، ۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المراغی معاشرے کو صحیح بنیادوں پر قائم رکھنے کے لیے قوت و طاقت سے تعزیرات کے نفاذ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا ۔۔۔۔ (الحدید: ۲۵) کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ذکر اللہ الکتاب والمیزان والحدید وقرنہا بعضہا ببعض، فالکتاب اشارۃ الی الاحکام المقتضیۃ للعدل والانصاف، والمیزان اشارۃ الی سلوک الناس علی وفق ھذا الاحکام والحدید اشارۃ الی ما یحملھم الی اتباع ھذا الاحکام اذا تمردوا۔[۴۷]

"اس آیت میں الکتاب، المیزان اور الحدید کا ساتھ ساتھ ذکر ہوا ہے۔ یہاں الکتاب سے مراد ایسے احکام ہیں جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوں۔ المیزان سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ لوگ ان احکام پر عمل پیرا ہوں اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں اور الحدید میں اس بات کی طرف راہنمائی ہے کہ معاشرے کا غیر پسندیدہ عنصر جب ان احکام سے روگردانی کرے تو انھیں کس طرح اتباع احکام کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔"

وہ معاشرے کے جدت پسند اور مغرب زدہ طبقے کی منافقت اور غلط روش کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ طبقہ اسلام کی ایسی تعبیر چاہتا ہے جو اُن کی خواہشات کے مطابق ہو۔ یہ طبقہ اگرچہ زبان سے اللہ پر ایمان لاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہے لیکن عملی زندگی میں جب احکام الٰہی اور رسول کے اسوے کی پیروی کی بات آتی ہے تو وہ اسے رجعت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ (لقمان: ۶) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

من الناس فریق مؤمن بالقرآن اجمالا و برسالۃ محمد و یعظمھما و یحترمھما فاذا قلت لہ: ولم لا تقطع ید السارق و یحد القاذف ولماذا لا تحکم القرآن فی الحیاۃ ونحن مؤمنون بہ؟ ھز الکتفین فابتسم او زاد: انھا رجعیۃ لا یحتملھا تمدین العصر الحدیث۔[۴۸]

---

[۴۷] حدیث رمضان، ۱۹۴

[۴۸] حدیث رمضان ۱۹۸۵ مجلہ التفسیر ۱۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لوگوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو قرآن اور رسالتِ محمدیؐ پر اجمالاً اعتقاد تو رکھتا ہے اور ان کا احترام و تعظیم بھی زبان سے کرتا ہے۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم چور کے ہاتھ کاٹنے اور تہمت لگانے والے پر حد جاری کرنے میں کیوں پس و پیش کرتے ہو اور قرآن کو اپنی زندگی میں حکم کیوں نہیں تسلیم کرتے باوجود اس امر کہ تم اس پر ایمان رکھتے ہو۔ جواباً یہ مسکرا دیتے اور کندھے اچکاتے اور ہلا دیتے ہیں یا اس سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تمام باتیں رجعت پسندی پر دلالت کرتی ہیں، عصرِ جدید اور تمدنِ نو میں ان باتوں کی گنجائش نہیں۔"

معاشرے میں باہمی اخوت و محبت کے داعی ہیں۔ دورانِ تفسیر جہاں بھی موقع ملتا اور آیت کا مضمون اجازت دیتا ہے تو وہ مسلمانوں کو باہم عزت و تکریم سے پیش آنے کی تلقین کرتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ (الحجرات: ۶) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مسلمان پر لازم ہے کہ جب کوئی خبر سنے تو اس کی صحت کی تصدیق کرے، کیونکہ بسا اوقات خبر کا بغیر تصدیق کے قبول کرنا باہم منافرت اور کشیدگی کا باعث بن جاتا ہے۔ حکام و امرا جن کے ہاتھ میں اپنی قوم کے معاملات کی زمام کار ہوتی ہے ان کو بالخصوص تلقین کرتے ہیں کہ وہ بغیر تصدیق کیے خبر قبول نہ کریں ورنہ اُن کے زیرِ دست بھائی اُن کے ہاتھوں اذیت و نقصان میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ [۴۹]

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان: ۱۸) کی تشریح میں رقم طراز ہیں کہ ان آیات میں اپنے نفس کی تربیت و تکمیل اور دوسروں کی تربیت دینے کو کہا گیا ہے اور اخلاقِ سیئہ سے منع فرمایا گیا ہے آخر میں فرماتے ہیں یہ ھکذا یؤدب اللہ عبادہ، ویضمن کتابہ ما فیہ سعادتھم حتی لم یترک ادبھم فی المشی والحدیث ولو کانت الحکمۃ التی اوتیھا لقمان والتی قصّھا اللہ فی القرآن ھی التی لھا السیادۃ علی الناس، لکان حال العالم الیوم ارقی وادفع واشرف واکمل واھنا واسعد مما ھو علیہ الآن [۵۰]

۴۹؎ حدیث رمضان ۱۱۶

۵۰؎ حدیث رمضان، ۷۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ادب سکھاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس ربِ کائنات نے وہ تمام آداب بیان کر دیے جس میں اس کی مخلوق کی بھلائی ہے حتیٰ کہ چلنے پھرنے اور گفتگو کے آداب کی تعلیم دی۔ وہ حکمت و دانائی جو لقمان علیہ السلام کو دی گئی، اگر آج لوگوں میں تھوڑی سی بھی ہوتی تو کائنات کی حالت کہیں اچھی، خوش کن اور کامل ہوتی اس حالت سے جس میں آج ہم ہیں۔"

قرآن اور علوم جدیدہ

شیخ زندگی کے تمام دوائر میں اسلام کو جاری و ساری دیکھنے کے متمنی اور خواہشمند تھے۔ وہ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو یہ درس دیتے نظر آتے ہیں کہ اگر وہ جہالت و جمود کی فضا سے نکل آئیں تو آج بھی اپنی عظمتِ گم گشتہ کو پا سکتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

تعلموا واعملوا انعلموا فرغ العلم جميعها لتنالوا الفخر والمجد و لتكونوا اعزة و اقيموا اساس الحضارة على العلم والدين والاخلاق تو موا بوظيفة الامر بالمعروف والنهي عن المنكر[۵۱]

"فخر و بزرگی حاصل کرنے کے لیے علوم کی تحصیل کرو اور حضارت کی بنیاد علم پر قائم کرو بشرطیکہ دین اور اخلاق اس کے مؤید ہوں۔"

علامہ محمد کرد علی کہتے ہیں:

وكان على مثل اليقين ان مجد الاسلام لن يكتب له الظهور ان لم يقترن بالعلم الجديد[۵۲]

"ان کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ اسلام کی عظمت اس وقت تک ظاہر نہ ہو گی جب تک علوم نقلیہ کے ساتھ جدید علوم کو شامل نہ کر لیا جائے۔"

یہی وجہ ہے کہ شیخ نے اپنے دروس میں ان آیات کا بالخصوص انتخاب فرمایا جو علم کے حصول پر زور دیتی اور یہ بات واضح کرتی ہیں کہ قرآن حکیم علوم جدیدہ کی تحصیل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ سلف

---

۵۱ مجلۃ الازھر، ۱۳۵۷ھ، ص ۸۱

۵۲ الشیخ المراغی، ۱۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صالح کا نمونہ بھی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ دین اسلام اپنے ماننے والوں سے تمام علوم کی تحصیل کا مطالبہ کرتا ہے۔ مراغی ان علما پر تنقید کرتے ہیں جو علوم جدیدہ کی تحصیل سے مسلمانوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ وہ یہ بات واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ یہ خیال اور عقیدہ قرآن کے بنیادی مقاصد سے متصادم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن اقوام نے کائنات کے اسرار و رموز کا مطالعہ کیا انھوں نے سعادت و عزت حاصل کی اور ان سے اعراض و اغماض ہی ذلت و نکبت کا سبب بنا ہے کہتے ہیں:

وانی انصح قومی واھل ملتی بتوجیه الجھود الی الدراسات العلمیة، استشھاداً ما اودعه الله جل شانه فی معادن الارض و نباتھا وحیوانھا وما اودعه فی الھواء والضوء وغیر ذلک من الموجودات فذلک خیر ما نحن فیه دیناً ودنیا۔[53]

"میں اپنے اہل وطن کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی تمام تر کوشش تحصیل علم میں لگا دیں اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین کے اندر، نباتات و حیوانات، ہوا اور روشنی میں ودیعت فرمائی ہیں ان کا کھوج لگائیں اور ان سے استفادہ کر دیں، اس طرح ہم دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے موجودہ حالت سے بہتر ہو جائیں گے۔"

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔ (الانفال: ۶۰) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قوت کی تعبیر و تشریح زمانے اور وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس تیاری میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ معلوم کریں کہ آج اگر دشمن سے مقابلہ کرنا ہو تو کس قسم کے ہتھیار درکار ہوں گے اور اُن کو کس طرح بنایا اور بہتر طریق سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔[54]

جدید علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ وہ قرآن، لغت عربی اور دوسرے نقلی علوم کی تحصیل پر زور دیتے ہیں۔ وہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے صرف اسی قدر تفصیل میں جاتے ہیں جتنی وہ قوم کو آمادہ اور بیدار کرنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ خود کہتے ہیں:

ولیس من غرض مفسر کتاب الله ان یشرح عالم السموات ومادہ والعادہ

---

۵۳ حدیث رمضان، ۱۳

۵۴ حدیث رمضان، ۱۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقدارہ واوزانہ لکنہ یجب ان یلم بطرف یسیر منہ لیدل بہ علی القدرۃ الالٰھیۃ ویشیر الیہ للعظۃ والاعتبار ؀۵۵

"قرآن کے مفسر کا یہ کام نہیں کہ وہ آسمانوں کی تشریح میں گم ہو جائے، اس کے فاصلوں وزن اور مادے کی بحث میں پڑ جائے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ ان آیات کی تفصیل کو اسی قدر بیان کرے جو اللہ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتی ہو اور اس میں کوئی عبرت و موعظت کا پہلو ہو۔

بعض مفسرین کی طرح قرآن کو فلسفے کا تابع کرنے اور ہر نئے نظریے کو کھینچ تان کر قرآن سے ثابت کرنے کے رجحان کے وہ سخت مخالف ہیں۔ کہتے ہیں:

"جب کبھی دنیا میں کوئی نئی اور انوکھی فکر منظر عام پر آتی ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح اس کا تعلق اور ثبوت قرآن سے دیا جائے۔ یہ اندازِ فکر کتنا غلط ہے، کیونکہ انسانی علوم و معارف غیر مبدل اور اٹل حقیقتیں نہیں بلکہ ان میں تغیر و تبدیلی آتی رہتی ہے اور بعض وقت ایک فکر دوسری فکر کی بحث کی کلی طور پر نفی کر دیتی ہے جبکہ قرآنِ حکیم کے تمام اصول اٹل ہیں اور ان کی صحت میں ذرہ برابر شبہے کی گنجائش نہیں، بلا شبہ قرآن اخلاق فاضلہ کی تخم ریزی کرتا اور علم و ہدایت کی راہیں ہمارے سامنے کھولتا ہے اور بعض وقت قرآن کی بعض آیات کے بہتر فہم کا دار و مدار علوم فلکیہ و طبعیہ کے جاننے پر منحصر ہوتا ہے، لیکن ان آیات کا مقصد ان علوم و معارف کو حرف آخر اور قطعی قرار دینا نہیں۔ قرآن تو کتابِ ہدایت ہے جو خالق و مخلوق اور باہم بندوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کو استوار اور مضبوط کرتی ہے۔ ؀۵۶

فقہی مسائل

شیخ اگرچہ حنفی المسلک تھے لیکن یہ وابستگی تقلید کی حد تک نہیں تھی، نیز وہ دوسرے مذاہب

---

۵۵ حدیث رمضان، ۶۲

۵۶ الشیخ المراغی، ۱۳۹۷-۱۴۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بھی قدر دان تھے۔ فقہی مسائل میں متقدمین کی وہ آرا جنھیں درست سمجھتے، تسلیم کر لیتے ۔لیکن بعض اوقات وہ خود بھی اجتہاد کرتے اور تقلید کو ناپسند کرتے۔ اجتہاد کی تائید میں وہ اسلاف کے مسلک کو پیش کرتے جنھوں نے پیش آمدہ مسائل کا حل کامل حریّت سے کام لے کر قرآن و سُنت کی روشنی میں کیا ۔ ۵۷ وہ ان علما کو ہدف تنقید بناتے ہیں جنھوں نے اس تصور کو مسلمانوں میں عام کیا کہ اجتہاد کے دروازے بند ہو چکے ہیں اور تقلید کے سوا چارہ نہیں۔ اس تصور نے مسلمانوں کو قوت فکر اور عمل دونوں سے محروم کیا۔ کہتے ہیں :

انھم اسنکا نوا فی القرون الاخیرۃ الی الراحۃ وظنوا ان لا مطمع لھم فی الاجتھاد فاقفلوا ابوابہ و رضوا بالتقلید وعکفوا علی کتب لا یوجد فیھا روح العلم و جھلوا طرق التفکیر الحدیثۃ وطرق البحث الحدیث ۔ ۵۸

"گذشتہ صدیوں میں مسلمان عمل سے بے نیاز ہو گئے اور انھوں نے خیال کیا کہ اجتہاد کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ لہٰذا تقلید پر راضی ہو گئے، اور ایسی کتابوں کے اسیر ہو گئے جو علم کی روح سے بیگانہ تھیں اور اُنھوں نے سوچ و فکر کے جدید طریقوں پر عمل کرنے سے پہلو تہی کی۔

المراغی نے اپنے دروس میں ان آیات کو بھی موضوع بحث بنایا جو تقلید کی مخالفت اور اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتی ہیں۔

---

۵۷ الشیخ المراغی، ۲۶ - ۲۷

۵۸ الشیخ المراغی، ۱۳۱

© rasailojaraid.com